مرادآباد کے صدرِ شریعت وقائد وشہیدِ انقلاب

مولانا سید کفایت علی، کافیؔ مرادآبادی

یٰسٓ اختر مصباحی
دارُالقلم، دہلی

حضرت مولانا سید کفایت علی، کافیؔ مرادآبادی (شہادت ۲۲ ررمضان ۱۲۷۴ھ/ ۶ رمئی ۱۸۵۸ء) علم وفضل اور طب وشاعری میں یگانۂ روزگار تھے۔ حضرت مفتی ظہورُ اللہ، فرنگی محلی لکھنوی (متوفی ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء) سے بعض علوم وفنون کی، مولانا کافیؔ نے تحصیل کی تھی۔

مولانا محمد عبدالشکور، معروف بہ مولوی رحمٰن علی، مؤلِّفِ ''تذکرۂ عُلمائے ہند'' (متوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء۔ تلمیذِ مولانا شاہ سلامت اللہ، کشفی بدایونی ثم کان پوری، وصال ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۱ء وقاری عبدالرحمٰن، پانی پتی، وصال ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء ومُرید وخلیفۂ صوفی محمد حسین چشتی، الٰہ آبادی وصال ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۵ء) کے والد

حکیم شیر علی، صدیقی، الٰہ آبادی (متوفی ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء) سے علمِ طب

اور شیخ مہدی علی خاں، ذکیؔ مرادآبادی (متوفی ۱۲۸۱ھ/ ۱۸۶۴ء) شاگردِ امام بخش، ناسخؔ (متوفی ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء) سے فنِ شاعری سیکھ کر، طب وشاعری میں کمال، حاصل کیا۔

ذکیؔ مرادآبادی کے چار تلامذہ مشہور ہوئے۔ حضرت مولانا نعیم الدین، مرادآبادی (متوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) کے والد ماجد، **مولانا معین الدین نزہتؔ**

ومولانا سید کفایت علی، کافیؔ مرادآبادی ومولوی محمد حسین، تمنّاؔ ومولوی شبیر علی، تنہاؔ۔

حضرت شاہ، ذکیُّ القدر، ابوسعید، مجدّدی، رام پوری (متولد ذوالقعدہ ۱۱۹۶ھ/اکتوبر ۱۷۸۲ء متوفی شوال ۱۲۵۰ھ/ جنوری ۱۸۳۵ء) خلیفۂ حضرت شاہ غلام علی، نقشبندی، مجدّدی، دہلوی (متوفی ۲۲ رصفر ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) وتلمیذِ حضرت شاہ عبدالعزیز، محدّث دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء) سے حضرت مولانا کافیؔ نے علمِ حدیث کا درس لیا اور خدمتِ علمِ حدیث میں مصروف ہوئے۔

مولانا کافیؔ پر اپنے استاد ومُربی، حضرت شاہ ابوسعید، مجدّدی (متوفی ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۵ء) کا

گہرا اثر تھا۔ اِتّباعِ سنّت اور عشقِ رسول میں آپ، ان کے پرتو تھے۔

اِس لئے اِجمالاً، یہاں، حضرت شاہ ابوسعید، مجدّدی کے اَحوال بھی، درج کیے جاتے ہیں۔

حضرت شاہ ابوسعید، مجدّدی، رام پوری کے بارے میں

سرسید احمد خاں (متوفی ذوالقعدہ ۱۳۱۵ھ/ مارچ ۱۸۹۸ء) لکھتے ہیں:

'' آپ، شاہ غلام علی صاحب کے خلیفۂ اعظم ہیں اور آپ کے انتقال کے بعد

آپ ہی سجادہ نشین ہوئے...... آپ، حضرت مجدّدؒ کی اولاد ہیں......

صفاتِ ذاتی اور کمالاتِ ظاہری اور باطنی ایسے تھے کہ جن کا کچھ حد وحساب نہیں۔

حافظِ کلام اللہ اور عاشقِ رسول اللہ۔ اور علومِ دینی آپ کو بہت مستحضر تھے۔

کلامُ اللہ، ایسی خوش آواز اور کمالِ قرأت سے پڑھتے کہ لوگ، دور دور سے سننے آتے۔

پہلے پہل تو آپ نے مولانا شاہ، درگاہی (رام پوری) صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ سے کہ:

بڑے اولیائے وقت سے تھے، سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی تھی اور نسبتِ باطن، بخوبی حاصل کر کے پیری مریدی کی اجازت لی تھی۔

لیکن اپنے خاندان کی نسبت نے، زور کیا اور اس طریقۂ نقشبندیہ کی طرف کھینچا کہ:

آپ نے دوبارہ، حضرت شاہ غلام علی صاحب سے سلسلۂ نقشبندیہ، مجدّدیہ میں بیعت کی اور از سرِ نو تمام مقامات کو حاصل کیا۔

آپ کی شکل وشمائل، بہت نورانی تھی۔ بے اختیار، آپ کی صحبت میں حاضر رہنے کو دل چاہتا اور جب تک بیٹھتے، وسوسۂ شیطانی ایک نہ آتا۔

..... اِتّباعِ سنّتِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم، بدرجۂ کمال تھا۔

کوئی بات، خلافِ سنّت نہ کرتے اور ہر دَم، پیرویِ سنّت کا خیال رکھتے۔

اخلاقِ محمدی، اِس وسعت سے تھا کہ ہر شخص ملنے والا بھی جانتا تھا کہ:

جیسی عنایت اور شفقت، آپ کو، میرے حال پر ہے، اس سے سِوا، دوسرے پر نہیں۔

حقیقت میں تواضع کو بدرجۂ کمال پہنچایا تھا اور سخاوت کو حد سے زیادہ، اختیار کیا تھا۔

..... بعد انتقالِ شاہ صاحب کے، آپ ان کی جگہ، مسندِ ارشاد پر بیٹھے

اور سالہا سال، لوگوں کو آپ کے فیضِ صحبت سے علوِ مرتبت اور کمالِ مدارج، حاصل ہوا کہ:

اسی اثنا میں محبتِ رسولِ مقبول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّم نے بہت غلبہ کیا
اور آپ نے زیارتِ حرمین شریفین کا ارادہ کیا۔
اللہ نے وہ اِرادہ بھی پورا کیا اور حج اور زیارتِ مدینہ منورہ، نصیب کی۔
بروقت مراجعت کے، بہ مقام، ٹونک (راج پوتانہ) آپ کا انتقال ہوا۔''
(ص ۴۶۹ تا ۴۷۱۔ **آثارُ الصَّنادید**۔ از سر سید احمد خاں۔ مطبوعہ اردو اکاڈمی، نئی دہلی)

مولانا شاہ ابوالحسن زید، فاروقی، مجدِّ دی، دہلوی (متوفی دسمبر ۱۹۹۳ء) لکھتے ہیں:
''آپ (شاہ ابوسعید، مجدِّ دی) نے، مفتی شرف الدین، شاہ رفیع الدین اور اپنے ماموں شاہ سراج احمد سے کتبِ متداولہ پڑھیں، اور اپنے ماموں اور پیر و مرشد، حضرت شاہ غلام علی اور شاہ عبدالعزیز سے حدیث کی سند، حاصل کی۔
آپ، پہلے، اپنے حضرت والد سے بیعت ہوئے۔ انھوں نے آپ سے کہا کہ:
تمہارا مُرغِ ہمت، بلند پرواز ہے، لِھٰذا، اِس خاندان کے خُلفَا سے تکمیلِ نسبت کرو۔''
چنانچہ، آپ، حضرت شاہ، درگاہی، خلیفۂ حضرت شاہ جمال اللہ، خلیفۂ حضرت قطب الدین، خلیفۂ حضرت محمد زبیر، مجدِّ دی، قَدَّسَ اللّٰہُ اَسْرَارَھُم سے بیعت ہوئے۔
بارہ سال تک، فیوض و برکات، حاصل کرتے رہے۔ شاہ درگاہی نے آپ کو خلافت، عطا کی اور اپنا جانشین بنایا۔ وہ، آپ پر، نہایت مہربان تھے۔
آپ کی طرف لوگوں کا رُجوع ہوا۔ جذب و شوق کے آثار، آپ کے مریدوں میں ظاہر تھے۔ مع ھٰذا، جب، آپ مکتوبات شریف کا مطالعہ فرماتے تھے، کمی کا احساس ہوتا تھا۔
کیوں کہ نسبتِ مجدِّ دیہ میں، یہ باتیں، باقی نہیں رہتیں، بلکہ حضراتِ صحابہ کی طرح، افسردگی میں عمر گذرتی ہے۔ ان کا سماع، قرآنِ مجید اور ان کا حضور، نماز
اور ان کا طریقہ، اَمر بالمعروف و نَھی عنِ المنکر ہوتا ہے۔
اتفاق سے، اس دَوران میں آپ کا دلی آنا ہوا۔ آپ نے، دلی سے حضرت قاضی ثناء اللہ کو پانی پت، خط لکھا کہ مَیں آپ سے باطنی استفادہ کرنا چاہتا ہوں۔
قاضی صاحب نے محبت بھرا خط آپ کو لکھا۔
اور آپ کو حضرت شاہ غلام علی کی طرف، رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔

چنانچہ، ۱۲۲۵ھ میں آپ نے مشیخت چھوڑ کر، حضرت شاہ غلام علی کی غلامی، اختیار کی۔
یہ شعر، آپ کے حسبِ اَحوال ہے:

از برائے سجدۂ عشق، آستانے یافتم — سر زمینے بود منظور، آسمانے یافتم

(ص ۱۷۱ و ۲۷۲۔ ''**مقاماتِ خیر**''۔ مؤلَّفہ شاہ ابوالحسن زید، فاروقی، مجدِّ دی
درگاہِ حضرت شاہ ابوالخیر، چتلی قبر، دہلی ۶۔ طبعِ دوم۔ ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء)

مولانا کافیؔ، مراد آبادی کی متعدد تصانیف ہیں۔ جن میں سے، چند کے نام یہ ہیں:
ترجمۂ شمائلِ ترمذی (منظوم) مجموعۂ چہل حدیث (منظوم) مع تشریح
خیابانِ فردوس، بہارِ خلد، نسیمِ جنت، مولودِ بہار، جذبۂ عشق، تجملِ دربارِ رحمت بار۔ دیوانِ کافیؔ۔
مولانا کافیؔ نے، ۱۸۴۱ء میں حج و زیارت کی سعادت بھی حاصل کی۔ اسی کی یادگار ''تجملِ دربارِ رحمت'' ہے۔ جذب و کیف کے عالَم میں آپ نے والہانہ انداز سے، یہ مثنوی لکھی ہے جس میں، دربارِ رسالت و حاضریِ دربار رسالت کی اِس طرح، روح پرور و دل آویز منظر کشی کی ہے:

مثنوی تجملِ دربارِ رحمت بارِ نبی کریم عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَ التَّسْلِیم۔

ہے سزاوَارِ تمامی حمد، وہ ربِّ مُجیب — صاحبِ لَوْلَاک ہے جس ربِّ اکبر کا حبیب
نور سے اپنے وہ نورِ اوَّلیں پیدا کیا — اور اُس محبوب کو لَـــــــوْلَاک کا رُتبہ دِیا
اور اُس اپنے نبی پر کی جو نازل اِک کتاب — رحمۃٌ لِلعالمیں کا اُس کو فرمایا خطاب
رحمتِ عالَم کا وہ دربارِ عالی شان ہے — جلوۂ دِیدار پر جس کے تصدُّق، جان ہے
ہو نہیں سکتے بیاں، اوصاف اُس درگاہ کے — کیا ادب آداب ہیں، درگاہِ شاہنشاہ کے
وہ تجمل، شوکت و ہیبت کا عالَم ہے کہ یاں — ایک ذرَّہ سے بھی کم ہے، قدرِ شاہانِ جہاں
ہر در و دیوار پر اِک عالَمِ تنویر ہے — سرِ نگوں جس کے رَقم سے خامۂ تحریر ہے
آستانِ اَنور و اَقدس پہ خلقت کا ہجوم — ہر طرف، صلوٰت خوانوں اور زَوَّاروں کی دھوم
پڑھ رہا ہے دست بستہ، باادب کوئی سلام — ہے کوئی سرگرمِ تسلیمات باحُبِّ تمام
کوئی اِس دربار میں ہے، سرِ نگوں بیٹھا ہوا — ہے کسی کا بہرِ مطلب اُٹھ رہا دستِ دُعا
جابہ جا قرآن خواں، گرمِ تلاوت ہیں یہاں — عابد و زُہَّاد مشغولِ عبادت ہیں یہاں
صوفیانِ باطریقت عارفانِ باکمال — ہیں بہ قدرِ رُتبہ، سرگرمِ بُکا وَ وَجد و حال

ہے ہجومِ درس جس جا، اور ہی وَاں دھوم ہے　　جو یہاں حاضر ہے اُس کا کیا بڑا مقسوم ہے
ہے زیارت میں درِ دولت کی اَنبوہِ کثیر　　اہلِ روم واہلِ ہند اہلِ عرب بَر ناو پیر
دست بستہ ہو کے پڑھتے ہیں وہ صلوٰت وسلام　　کرتے ہیں پھر عرضِ مطلب، زَائرانِ نیک نام
ہے کسی کے ہاتھ میں جالی کا شبکہ آ گیا　　مَل رہا ہے اُس سے آنکھیں اور کرتا ہے دُعا
آستانے پر کوئی رکھتا ہے چشمِ اَشک بار　　لے کے خاکِ آستاں، مَلتا ہے منھ پر بار بار
اور اُسی حجرے کے اندر بِالیقیں　　ہے جہاں وہ خواب گاہِ رحمۃٌ لِلعالمیں
اورمحرابِ تہجد کی طرف صَلِّ عَلیٰ　　ہے مزارِ بنتِ ختم المرسلیں خَیر النسا
داخلِ روضہ ہے اور بیرونِ حجرہ وہ مقام　　ہے جہاں وہ مَرقدِ بختِ دِلِ خَیر الانام
اُس مزارِ پاک پر ہے قبۂ چوبیں بنا　　اس کے اوپر ہے فروہشتہ غلافِ پُر ضیا
مُستضِی اُس کے سبب سے ہیں سب اَطرافِ مزار　　ہے نصیبِ زائراں وہ پردۂ زَرّیں شِعار
اور وُکلائے سلاطین وَامیرانِ جہاں　　رہتے ہیں حاضر، بہ دربارِ شفیعِ عاصیاں
ہر وکیل اپنے موَکّل کی طرف سے صبح وشام　　عرض کرتا ہے درِ دولت پہ تسلیم وسلام
ایک جا، بالحنِ خوش، بیٹھے ہوئے میلا دخواں　　مولدِ خیرالوَرا کا حال کرتے ہیں بیاں
اور یہ میلاد خوانوں نے رکھا ہے اِلتزام　　پڑھتے ہیں آیاتِ قرآں، پیشِ صلوٰت وسلام
بعداَزاں حالِ ولادت، سیدِ اَبرار کا　　پھر سراپاے مبارک، احمدِ مختار کا
اور آجاتا ہے جب، ذکرِ ولادت، آپ کا　　واسطے تعظیم کے، ہر شخص ہوتا ہے کھڑا
دیر تک رہتے ہیں قائم اور پڑھتے ہیں سلام　　بیٹھ کر پھر حالِ مولد کو وہ کرتے ہیں تمام
ہاتھ اُٹھا روضے کی جانب، حُرمتِ ھٰذَا النَّبی　　کہتے ہیں وقتِ دعا، سن کر تڑپ جاتا ہے جی
عود اور صندل سے جو محفل میں اٹھتا ہے بُخور　　اس کی خوش بو ہے نصیبِ مجمعِ نزدیک ودُور
بیش تر ہر روز ہے، یہ شغلِ میلادِ شریف　　ہے غرض ہر طرح سے، اُس بزم میں یادِ شریف
ہے یہ آدابِ موَذّن، یاں کہ ہنگامِ نماز　　آستانِ روضۂ حضرت پہ باعجز ونیاز
اِذن کرتا ہے طلب، پڑھ پڑھ کے صلوٰت وسلام　　پھر وہ جاتا ہے اذاں دینے منارے پر مدام
وہ منارہ جس پہ کہتے تھے اذاں، حضرت بلال　　اب تلک ہے اُس منارے پر نہیں جاتا کوئی
اور پڑھتے تھے تہجد، آن کر حضرت، جہاں　　اب تلک باقی ہے، محرابِ تہجد کا نشاں

اور ہے اس کے مقابل، وہ بھی صُفَّہ برقرار　　رہتے تھے اَصحابِ صُفَّہ، جس جگہ لیل ونہار
شرق کی جانب کو ہے، روضے سے بابِ جبرئیل　　آتے رہتے تھے اُدھر ہی سے جنابِ جبرئیل
دوسرا اُس کے برابر، اور ہے بابُ النِّسا　　وہ بھی اک مشہور ہے بابِ حریمِ مصطفیٰ
اور وَاں سے شرق کی جانب کو ہے بابُ السَّلام　　بابِ رحماں نے بھی پایا ہے اُسی جانب نظام
نَوعمارت اور وہ جو ایک ہے بابِ مجید　　ہے شمالی سَمت کو، بازینت وزیبِ مزید
ایک غُرفہ اور بھی، مشرق کی جانب ہے وہیں　　اُس طرف سے بھی کبھی آتے تھے جبرئیلِ امیں
ہے مُزَیَّن اب تلک، وہ غُرفۂ والا مقام　　آتا تھا اُودَھر سے بھی ختمِ رسالت پر پیام
نور اَفشاں ہیں سبھی اَبوابِ شاہِ مُرسلاں　　ہے وہ درگاہِ مقدس، مرجعِ قدُّوسیاں
اور وہ جو کچھ حرم میں ہیں درختِ تازہ تر　　نخلِ فردوسی سے ایک ایک برگ دیتا ہے خبر
نَو بہارِ نور ہے ہر نخلِ بُنْ سے آشکار　　جلوۂ دیدار پر، اُس کے تصدُّق نوبہار
اور وہ معراج کی شب، مطلعِ نور وضیا　　جس کے تھے نَظّارگی حور وملک اہلِ سما
آئے تھے لینے کو حضرت مصطفیٰ کے جبرئیل　　اور لائے آپ کو جس رات میں روحُ الامیں
آتی ہے ہر سال میں جب، وہ شبِ فرخندہ پَے　　یاں کے رہنے والوں کا، اِس طرح کا معمول ہے
آتے ہیں چاروں طرف سے، وہ، مدینے کی طرف　　تاشبِ معراج کے اِحضَار کا پاویں شرف
کیا خوشی کرتے ہیں سب اہلِ عرب اُس رات کی　　ہے بجا اُس کو کہوں گر ''عیدِ معراجِ نبیؐ''
جمع ہوتے ہیں بہ پیشِ روضۂ خیرالانام　　اُس حریمِ محترم میں ہوتی ہے اِک دھوم دھام
کرتے ہیں اُس دن لباسِ فاخرہ ملبوس تن　　ہوتی ہے وہ انجمن، رشکِ بہارِ ہر چمن
ہوتے ہیں حاضر وہاں حضرت نبی کے مدح خواں　　حالِ معراجِ رسول اللہ، پڑھتے ہیں وہاں
اور وہ جو ہیں مَنارے، اس حریمِ پاک کے　　اس حریمِ اَطہر واَقدس شہِ لَولَاک کے
ہوتی ہے اُن پر شبِ معراج میں کیا روشنی　　دوسری ایسی کہیں دیکھی نہ زیبا روشنی
اور اُس شب باعثِ معراجِ ختم المرسلیں　　ہوتے ہیں گرمِ مبارک باد، باہم اہلِ دیں
آ گیا جو سامنے سے وہ پکارا: شاد ہو　　آج یہ معراج کی شب ہے، مبارک باد ہو
حَبَّذا! اے طالعِ کافیؔ! یہ تیری رہ بری　　مجھ کو دِکھلائی بہارِ ''عیدِ معراجِ نبی''
کافیِؔ عاصی جو حاضر تھا، شبِ اَسریٰ میں وَاں　　اُس کو بھی اَحباب، دیتے تھے مبارک بادیاں

عید معراجِ رسول اللہ کی جلوہ گری　　وہ تجمل اور اُس درگاہ کی جلوہ گری
بس رہی ہے دیدۂ مشتاق میں اَب کیا کروں　　یادکرکر روزوشب، اُس رات کو تڑپا کروں
اور ہے وہ صاحبِ کوثر کی یاں جاری سبیل　　یاد آوے دیکھنے سے، جس کے کوثر سلسبیل
وہ خنک پانی کہ ہو پینے سے جس کے شاد دل　　پھر کبھی برف آب کو ہرگز نہ لاوے یادِ دِل
جابہ جا نہریں رواں، پانی، کی باصد آب تاب　　جوش زَن اُن میں عجب انداز سے ہے آبِ ناب
اور وہ وُسعت حریمِ محترم کی حَبَّــــــــذا　　دیکھنے سے جس کے پاتی ہے بَصر، نور وضیا
مسجدِ عالی کا عالَم، عالَمِ بالا پہ ہے　　مسجدِ ختمِ رسالت، رتبۂ اعلیٰ پہ ہے
عرض میں درجے ہیں اُس مسجد کے دس تا اِنتہا　　اور چودہ طول میں محر ابھاے باصفا
اُستنِ مسجد کو مَیں گنتی میں لایا جس گھڑی　　ایک سو تینتیس پائے، وہ ستونِ مسجدی
وہ ستون وقُبَّہ ومحراب، محسودِ جناں　　اُن میں نَقَّاشی کا عالَم، رشکِ باغ وگلستاں
خاص محرابوں کی نقَّاشی وگل کاری کا حال　　ہو سکے کس سے بیاں؟ ہے یاں زبانِ نُطق، لال
وہ جو ایک محراب ہے، حضرت کے منبر کے قریب　　دید کے قابل ہے اس محراب کا حالِ عجیب
ایک جانب اُس کے، منبر ہے شہِ لَــولَاک کا　　دوسری جانب کو ہے، روضہ حبیبِ پاک کا
ہے جو وہ مابین منبر اور روضے کے مقام　　روضۂ جنت رکھا، حضرت نبی نے اُس کا نام
نور کا عالَم ہے وَاں، چشمِ ظواہر سے عیاں　　وہ جگہ بے شبہ ہے، اِک سطحۂ باغِ جناں
اور وہ منبر کا عالَم، عالَمِ تصویر ہے　　اُس کی وہ صَلِّ علیٰ، کیا مشتعل تنویر ہے
ہے وہ منبر اُس جگہ، جس جاوہ شاہِ کائنات　　پڑھتے رہتے تھے وہیں، خطبے کو ثابت ہے یہ بات
کیوں نہ نورانی ہو وہ منبر، شہِ لَــــــوْلَاک کا　　سیدِ کون ومکاں نے، اُس جگہ خطبہ پڑھا
اور روزِ جمعہ دو زَرِّیں لوائے سرفراز　　گردِ منبر کرتے ہیں، لاکر نَصب، وقتِ نماز
احمدی دونوں عَلَم سے صاف ہوتا ہے عیاں　　ہیں لِوائے حمد کے، گویا کہ نائب یہ نشاں
اور محرابِ رسول اللہ سے سیدھی طرف　　دفن ہے وہ اُستنِ حنَّانہ، کیا پایا شرف
پشتۂ دیوار کی صورت، لَحد اُس چوب کی　　بن رہی ہے اب تلک، وہ زیرِ محرابِ نبی
وہ سُتوں تھا عاشقِ صادق، رسول اللہ کا　　واہ! چوبِ خشک کو، کیا عشق میں رتبہ ملا
وہ جو تڑپا تھا فراقِ صاحبِ لَـــــوْلَاک میں　　حشر تک محراب کے، نیچے رہے گا خاک میں

اور محرابوں میں آویزاں ہیں قندیلیں تمام　　اور وہ جھاڑوں میں، ہر شب، روشنی کی دھوم دھام
دیکھنے سے ہے تعلق، قابلِ اِنشا نہیں　　مثل جس کے عالَمِ اِمکان میں پیدا نہیں
اور وہ جو ہے شباکِ روضۂ خَیرالوَرا　　اُس کا عالَم کیا کہوں، صَلِّ علیٰ، صَلِّ علیٰ
جلوۂ قُدسی ہے باہر سے وہ جالی کی بہار　　نور کے شعلے ہیں ہر شبکے سے اُس کے آشکار
سبز گنبد کا وہ جلوہ، مایۂ نور وضیا　　جس نے دیکھا دور سے، تسلیم کر کے جُھک گیا
وہ نبی کا سبز گنبد، مطلعِ انوار ہے　　چرخِ اَخضر ایک جس کا، سائباں بردار ہے
چار جانب سَقف کے اندر شباکِ پاک کے　　گرد ہے وہ جو مکانِ صاحبِ لَولَاک کے
شمع داں ہیں فرش پر، اُوپر ہیں قندیلیں تمام　　اور وَاں کے عُود سوزوں سے مہکتا ہے مشام

○○○

علمِ حدیث سے مولانا کافؔی کو بے پناہ شغف و اِنہماک تھا۔ عشقِ رسول کے جذبات سے ہمہ وقت آپ کا دل، لبریز رہتا تھا اور اشعار کی صورت میں وہ دل سے زبان پر آجایا کرتے تھے۔ **یہی وجہ ہے کہ آپ نے نعتیہ اشعار، بہت کہے ہیں۔**

مولانا کافؔی، عرض کرتے ہیں:

بس آرزو یہی دلِ حسرت زدہ کی ہے　　سنتا رہے شمائل و اَحوالِ مصطفیٰ

☆☆☆

ہے سعیدِ دوجہاں وہ جو کوئی لیل و نہار
نَعتِ اوصافِ رسول اللہ کا شاغِل ہوا

اسی جذبۂ مسعود اور وصفِ محمود سے متأثر ہوکر، عاشق رسول، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (متوفی ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) نے

آپ کو ’’**سلطانِ نعت گویاں**‘‘ قرار دیتے ہوئے عرض کیا ہے کہ:

مَہکا ہے مری بوئے دِہن سے عالَم　　یاں نغمۂ شیریں نہیں تلخی سے بہم
کافؔی ’’سلطانِ نعت گویاں‘‘ ہیں رضؔا　　اِنْ شــــــاءَ اللہ، مَیں، وزیرِ اعظم

نیز، اپنے قلبِ پُرسوز کا کرب واضطراب، ظاہر کرتے ہوئے، عرض کرتے ہیں:

پرواز میں جب، مدحتِ شہ میں آؤں　　تا عرش، پَرِ فکرِ رَسا سے جاؤں

مضمون کی بندش تو میسّر ہے رضاؔ   کافیؔ کا دردِ دل، کہاں سے لاؤں؟

مولانا سید کفایت علی، کافیؔ، مرادآبادی، انقلابِ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف
سینہ سپر تھے اور مرادآباد میں چلنے والی تحریکِ حریت کے قائدین میں آپ، پیش پیش تھے۔
نواب، مجدُ الدین خاں، عُرف مجوخاں (شہادت ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۸ء) کی سرکردگی میں
جب، مرادآباد کے اندر، آزاد حکومت، قائم ہوئی، تو آپ کو مرادآباد کا صدرِ شریعت بنایا گیا۔
اور آپ، شرعی احکام کے مطابق، مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے۔
جب، مرادآباد میں انگریز حامی نوابِ رام پور کی بالادستی، قائم ہوئی
تو مولانا کافیؔ نے انگریزوں کے خلاف، فتوائے جہاد، جاری کیا اور اس کی نقلیں
دوسرے مقامات پر بھجوائیں اور بعض جگہوں پر آپ خود تشریف لے گئے۔
آنولہ (روہیل کھنڈ) بریلی میں، خاص اسی مقصد سے ایک ہفتہ سے زیادہ، قیام فرمایا۔
حکیم سعدُ اللہ ولد حکیم عظیم اللہ آپ کے ہم سبق ساتھی تھے۔ ان کے یہاں، آپ نے قیام کیا۔
حکیم صاحب، آنولہ میں تحریکِ آزادی کے اہم رکن تھے۔
مرادآباد و مضافاتِ شہر کی مساجد میں آپ اور مولانا وہاج الدین، عُرف مولوی منو
مرادآبادی، **وعظ و تلقین کے ساتھ، ہر جمعہ کو جہاد کی ترغیب دیا کرتے تھے۔**
آنولہ سے مولانا کافیؔ، بریلی پہنچے اور نواب خان بہادر خاں روہیلہ، نبیرۂ حافظ رحمت خاں
روہیلہ و مولوی سرفراز علی سے مشورہ و تبادلۂ خیال کیا۔
پھر، بریلی سے دہلی کے لئے جانے والی وہ فوج، جو جنرل بخت خاں روہیلہ کی ماتحتی میں
برسرِ پیکار تھی، اس کے ساتھ، آپ مرادآباد واپس آئے۔
مرادآباد میں آزاد حکومت کے قیام کے بعد، انگریز، مرادآباد سے بھاگ کر، نینی تال اور
میرٹھ چلے گئے تھے۔ اُس وقت، مجوخاں، حاکمِ شہر اور نواب شیر علی خاں، فوج کے جرنیل
اور اسد علی خاں، افسرِ توپ خانہ، مقرر ہوئے تھے۔
جب کہ مولانا کافیؔ، صدرِ شریعت بنائے گئے تھے۔
ڈسٹرکٹ گزیٹر مرادآباد میں ہے کہ:
مسلمانوں نے، مِنْ حیثُ القوم، ضلع بھر میں، برٹش حکومت سے

اپنی مخالفت کو نہایت صاف و صریح طور پر ظاہر کیا۔
روہیل کھنڈ کے دوسرے اضلاع کی طرح، ضلع مرادآباد میں بھی غیرتِ مذہبی اور انگریزوں
کی ہر بات سے نفرت کے جذبات نے، **مسلمانوں کو عام بغاوت پر آمادہ کر دیا تھا۔**
(ڈسٹرکٹ گزیٹر مرادآباد)
انگریزوں کی طرف سے، نوابِ رام پور، یوسف علی خاں کو مرادآباد، فتح کرنے کی
اجازت مل چکی تھی اور اسی بنیاد پر، نواب یوسف علی خاں نے مرادآباد کی طرف، پیش قدمی کی تھی۔
خان بہادر خاں، حاکمِ روہیل کھنڈ کے لئے نواب رام پور کی مداخلت، ناقابلِ برداشت تھی۔
مولانا کافیؔ کے ذریعہ، خان بہادر خاں روہیلہ کو حالات کا پورا علم ہو گیا
تو نواب مجوخاں، حاکمِ مرادآباد کی امداد کے لئے خان بہادر خاں نے
جنرل بخت خاں کو، اس پر آمادہ کر لیا کہ:
وہ، دہلی جاتے ہوئے مرادآباد کا معرکہ، سَر کر لیں۔
نوابِ رام پور کے اندر اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ جنرل بخت خاں کی فوج سے مقابلہ کرے۔
اِس لئے اس نے انتظام اٹھا لیا اور اپنے افسر، واپس بلا کر میدان خالی کر دیا۔
مگر، جنرل بخت خاں، جب ۱۷/جون کو مرادآباد سے دہلی چلے گئے
تو پھر، نوابِ رام پور نے مداخلت کی
اور ۲۴/جون ۱۸۵۷ء کو، دوبارہ، اپنی فوج مرادآباد بھیج دی۔
اس مرتبہ، نواب مجوخاں کے ساتھ، مصالحت کی راہ، اختیار کی۔
جس کے نتیجے میں، وہ، رام پور کی طرف سے حاکمِ سنبھل، مقرر ہو گئے۔
بعد کے حالات، ایسے رونما ہوئے کہ انگریزوں نے بے دردی کے ساتھ
نواب مجوخاں کو بے حد اذیت ناک طریقے پر موت کے گھاٹ اُتار دیا۔
۳۱/مئی ۱۸۵۷ء کو، بریلی چھاؤنی میں بغاوت کے نتیجے میں خان بہادر روہیلہ، نبیرۂ حافظ
رحمت خاں روہیلہ کو، روہیل کھنڈ کا نواب بنائے جانے کے بعد کے حالات بیان کرتے ہوئے
سید محبوب حسین سبزواری، مرادآبادی لکھتے ہیں:
"اسی دَوران، نواب خان بہادر خاں کو ایک خط، مولوی سید کفایت علی

کافی کا، مرادآباد کے متعلق ملا۔ جس میں نوابِ رام پور کی
قوم دشمن سرگرمیوں کا تفصیل سے تذکرہ تھا۔
نواب صاحب نے یہ خط، جنرل بخت خاں کو دکھایا اور نواب رام پور کی
غدّارانہ حرکتوں سے آگاہ کیا۔ اور مرادآباد میں رام پور کی فوجی مداخلت
سے جو حالات پیدا ہو چکے تھے، ان کے سدِّ باب کی گفتگو کی۔
نواب صاحب (خان بہادر خاں روہیلہ) نے، جنرل بخت خاں کے مشورہ
سے محمد شفیع رسالدار کو مع رسالہ کے، مرادآباد جا کر قیام کرنے کا مشورہ دیا۔"
(**اخبارُ الصنادید**۔ از حکیم نجم الغنی، رام پوری)
رسالدار محمد شفیع، آنولہ ہوتے ہوئے مرادآباد پہنچے
اور خود اپنے مکان میں قیام کیا اور اپنے رسالہ کو، جہاں، اِس وقت، انٹر کالج
محلّہ مغل پورہ میں واقع ہے، پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔
دَورانِ قیام، مرادآباد کے کچھ جوشیلے جوانوں کو اپنے ساتھ، شامل کر کے
اپنے رسالہ سے تربیت دلائی اور نمبر ۲۹ پلٹن مقیم مرادآباد
جو باغی ہو گئی تھی، اُس کو بھی اپنے ساتھ، شامل کر لیا۔" الخ۔
(ص ۲۰۳۔ **مرادآباد! تاریخ جد و جہد آزادی**۔ مرتّبہ سید محبوب حسین، سبزواری۔
مطبوعہ اسلامی بک ہاؤس، مرادآباد۔ مارچ ۲۰۰۰ء)
۲۵ر اپریل ۱۸۵۸ء کو مرادآباد پر، جب، انگریزوں کا دوبارہ قبضہ ہوا
تو مولانا کافی ۱۶ر رمضان ۱۲۷۴ھ/۳۰ر اپریل ۱۸۵۸ء کو گرفتار کر لیے گئے
اور مختلف دفعات لگا کر، آپ کے خلاف، مقدمہ چلایا گیا۔
سرسری اور نمائشی کارروائی، ضابطہ کی خانہ پُری کے لئے ہوئی اور پھر پھانسی کا حکم سنا دیا گیا۔
مولانا سید کفایت علی، کافی مرادآبادی نے مسرت وطمانیت کے ساتھ، حکم سنا۔
اور مرادآباد جیل کے سامنے، آپ کو پھانسی دی گئی اور بعدِ شہادت، وہیں آپ کی تدفین بھی ہوئی۔
پھانسی کے پھندے تک، جب، قدم بہ قدم، مولانا کافی آگے بڑھ رہے تھے
تو اپنی ایک ایمان افروز اور تازہ نعت شریف کے اشعار
بڑے ترنم اور وجد وشوق کے ساتھ، گنگنا رہے تھے۔

سید محبوب حسین، سبزواری، مرادآبادی لکھتے ہیں:
"جس وقت، مرادآباد میں یہ خبر، مشہور ہوئی کہ:
بریلی چھاؤنی کی ہندوستانی سپاہ نے بغاوت کر دی ہے۔
اس خبر کے ملنے پر، ۲۹ پلٹن مقیم مرادآباد نے بغاوت کر کے
سرکاری خزانہ اور ہتھیار لوٹ لیے۔ (ڈسٹرکٹ گزیٹر مرادآباد)
اس کے بعد، شہر میں ہنگامہ برپا ہو گیا اور شہر کے عوام، جو انگریز کی غلامی سے ناراض تھے
تلواریں کھینچ کر فخر سے نعرہ لگاتے ہوئے سڑکوں پر نکل پڑے۔
اور انگریزوں پر حملہ کرنا اور جگہ جگہ، تلاش کرنا، شروع کر دیا۔
عُلما حضرات بھی اپنی درسگاہوں سے نکل کر عوام کے ساتھ، جہاد میں شریک ہو گئے۔
انگریز، اس ہنگامہ سے ڈر کر میرٹھ اور نینی تال، فرار ہو گئے۔
حالات کے پیشِ نظر، عُلما حضرات نے، فوری انتظام کے لئے ایک "جنگی مشاورتی کمیٹی"
قائم کی، جو شہر کا انتظام بھی کرے گی اور جنگ کے لئے ذرائع ووسائل بھی، فراہم کرے گی۔
اس کمیٹی کے ایک رکن، مولوی سید کفایت علی، کافی بھی تھے۔
اس کمیٹی نے، ضلع مرادآباد کے اندر وباہر، جہاد کے فتویٰ، تقسیم کرائے۔
جس میں انگریز کے خلاف، مسلمانوں کو جہاد کا شرعی حکم دیا گیا تھا۔
اس غیر منظّم جہاد کو، ناکام کرنے کے لئے نوابِ رام پور اور کچھ مقامی غدّاروں کا
بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اس ناکامی کے نتیجہ میں مسلمانانِ مرادآباد کو، بقول سرسید احمد خاں:
جس تباہی وبربادی کا سامنا کرنا پڑا، وہ، ناقابلِ بیان ہے۔"
اسی دوران ۲۹ پلٹن اور جوش میں بھرے نوجوان عوام نے باہم مشورہ سے
نواب مجدُ الدین خاں، عُرف مجو خاں کو، حاکمِ مرادآباد مقرر کیا۔
(**اخبارُ الصنادید**۔ از نجم الغنی، رام پوری)
اور عباس علی خاں کو، افسرِ توپ خانہ، مقرر کیا، مگر، توپیں، موجود نہیں تھیں۔
اور مولوی سید کفایت علی، کافی کو صدرِ شریعت، مقرر کیا۔
عُلما کے فتوی نے، عوام میں ہر طرف، آگ بھڑکا دی تھی۔
روہیل کھنڈ میں مسلمانوں کی برہمی کا ایک خاص سبب، یہ بھی تھا کہ:

مذہب میں مداخلت ہونے لگی تھی۔

اس جنگِ آزادی کی ناکامی کے، دو بہت پرانے اسباب تھے:

اوّل، یہ کہ کوئی مرکزی تنظیم نہیں تھی، جو جنگ پر قابو پاتی۔

دوسرے، جنگ کو نا کام بنانے کے لئے، مقامی غدّار، بہت ہی کوشاں تھے۔

ان ہی وجوہات کی بنا پر، مجاہدین کو، زبردست جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔

ان غدّاروں کی مدد سے انگریز، دوبارہ ۲۴/اپریل ۱۸۵۸ء کو

شہر مرادآباد اور اس کے مضافات پر قابض ہو گیا

اور پھر عیسائی تہذیب کا، وہ ننگا ناچ شروع ہوا، جس کو تاریخِ عالَم کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

جسے دیکھا حاکمِ وقت نے، کہا یہ بھی، قابلِ دار ہے

اُس وقت، انگریزوں نے، غدّاروں کو ایک اور لالچ، یہ دے رکھا تھا کہ:

جو شخص، کسی بھی مجاہد کو گرفتار کرائے گا اور پھانسی، دِلوائے گا

اس کی جائیداد کا بڑا حصہ، اس غدّار کو دے دیا جائے گا۔''

اس لالچ کا، یہ نتیجہ نکلا کہ:

کوئی مجاہد ایسا نہیں بچا، جس کو غداروں نے گرفتار کروا کے پھانسی نہ دِلوادی ہو۔

جتنے بھی ساہو صاحبان ہیں، یہ اسی غدّاری کی پیداوار ہیں۔

لِہٰذا، مولوی سید کفایت علی، کافیؔ کو بھی ایک کمینہ صفت انسان نے قتل کرایا۔

پہلے، مولانا وہاج الدین، عرف منّو کو قتل کرایا۔ پھر، مولوی سید کفایت علی کو۔

اس غدار کا نام، فخر الدین کلال تھا۔'' (اخبارُ الصَّنادید۔ ازنجم الغنی، رام پوری)

مولانا کافیؔ، جنگ کے بعد، اپنے مکان میں روپوش تھے کہ:

اس ظالم نے مُخبری کر کے گرفتار کرایا۔ اس نمک حرام نے انگریز کلکٹر سے جا کر مُخبری کی

اور گرفتاری کا، اِس شرط پر وعدہ کیا کہ:

گرفتاری کے بعد، انعام میں مولانا کی تمام جائیداد، اس کو دے دی جائے گی۔''

یہ وعدے لے کر فوج کے دَستہ کے ہمراہ، مولانا صاحب کے مکان پر پہنچ کر آواز دی۔

ملازم نے مولوی صاحب سے اجازت لے کر دروازہ کھول دیا۔

فوج کے جوان، اندر داخل ہوئے۔ مولوی صاحب، تخت پر بیٹھے ہوئے گرفتار کر لیے گئے۔

گرفتاری کے بعد، اس غدار کو جائیداد میں سے ایک بڑا حصہ دے دیا گیا۔

اس نمک حرام کا نام، انگریز کے وفاداروں کی کتاب میں درج کیا گیا۔

مولانا صاحب کی گرفتاری کے بعد، فوری کارروائیِ مقدمہ کی شروعات ہوئی۔

اُس وقت، انگریز کی عدالت کا یہ عالَم تھا کہ:

کوئی ملزم کے بیان کو، جس طرح چاہے، تحریر کر دے۔

ملزم کو بیان دیکھنے، یا وکیل کرنے کا حق نہیں تھا اور نہ کوئی صفائی، پیش کرنے کی اجازت تھی۔

اس وقت، انگریزوں نے ایک کمیشن، قائم کیا تھا، جو مقدمات کی سماعت کرتا تھا

اور اسیسر صاحبان بھی اکثریتی طبقہ کے وہ لوگ تھے، جو ملک وقوم سے غداری کر رہے تھے۔

لِہٰذا، ۴/مئی ۱۸۵۸ء کو، اس ظالم و جابر انگریز مجسٹریٹ کے روبرو

مولانا کافیؔ کا مقدمہ پیش ہوا۔ اور بہت جلد، فیصلہ سنا دیا گیا۔

(اخبارُ الصَّنادید۔ ازنجم الغنی، رام پوری)

مقدمہ کی پوری تفصیل، آگے، تحریر ہے:

رودادِ مقدمۂ مولوی سید کفایت علی۔ ۴/مئی ۱۸۵۸ء

مقدمہ مسٹر جان انگلسن مجسٹریٹ کمیشن .... واقع ۴/مئی ۱۸۵۸ء

سرکاری مدّعی

بنام: مولوی کفایت علی، کافیؔ

فیصلۂ عدالت کمیشن:

چوں کہ اس مدعا علیہ ملزم نے، انگریزی حکومت کے خلاف، بغاوت کی اور عوام کو قانونی حکومت کے خلاف، ورغلایا اور شہر میں لوٹ مار کی۔ ملزم کا یہ فعل، صریح بغاوتِ انگریزی سرکار ہوا جس کی پاداش میں، ملزم کو سزائے کامل دی جائے۔

حکم ہوا: مدعا علیہ، پھانسی سے جان مارا جائے۔ فقط

دستخط انگریزی جان انگلسن۔ ۶/مئی ۱۸۵۸ء

مقدمہ کی پوری کارروائی، صرف، دو دن میں پوری کر دی گئی۔

۴/کو پیش ہوا اور ۶/تاریخ کو حکم لگا دیا گیا اور اسی وقت، پھانسی دے دی گئی۔''

(ص۱۴۲تا۱۴۴ ''مرادآباد! تاریخ جدوجہد آزادی'' ۔ازسید محبوب حسین سبزواری، مرادآبادی۔ مطبوعہ مرادآباد)

جس وقت، مولانا کافیؔ صاحب کو قتل گاہ لے جایا جارہا تھا، اُس وقت آپ اپنی ایک نعت شریف پڑھتے ہوئے، خراماں خراماں، تشریف لے گئے۔'' (ص۹۴۔تذکرۂ علمائے ہند۔ از رحمٰن علی)

نعت کے چند اشعار

کوئی گل باقی رہے گا، نےَ چمن رہ جائے گا — پر، رسول اللہ کا، دینِ حَسَن رہ جائے گا

ہم صفیرو! باغ میں ہے کوئی دَم کا چہچہا — بلبلیں اُڑ جائیں گی، سونا چمن رہ جائے گا

جو پڑھے گا صاحبِ لَولاک کے اوپر درود — آگ سے محفوظ اس کا، تن بدن رہ جائے گا

سب فنا ہو جائیں گے، کافیؔ ولیکن حشر تک
نعتِ حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا

(**۱۸۵۷ء کے مجاہد شُعَرا**۔ از امداد صابری۔ مطبوعہ دہلی)

حضرت مولانا کافیؔ شہید کو، مرادآباد جیل کے سامنے، مجمعِ عام کے روبرو، پھانسی دی گئی۔
اور وہیں کسی مقام پر، رات کی تاریکی میں دفن کر دیا گیا۔
دفن کے سلسلے میں عوام کے درمیان، مختلف روایات، گردش کرتی ہیں۔

ایک روایت، حضرت مولوی محمد عمر صاحب نعیمی کے بیان کے مطابق، یہ ہے کہ:
مولانا کافیؔ شہید کا جسمِ اطہر، قبر سے نکال کر، دوسری جگہ، منتقل کیا گیا۔
یہ واقعہ، مولانا محمد عمر صاحب نعیمی کے بیان کے مطابق
تقریباً ۳۰ رسال بعد کا ہے کہ قبر، کسی وجہ سے کھل گئی تھی، تو دیکھا کہ:
حضرت مولانا کافیؔ شہید کا جسمِ اَطہر، **بروقتِ شہادت جیسا تھا ویسا ہی، موجود ہے۔**
حشرات الارض سے کوئی نقصان، نہیں پہنچا تھا۔
جسمِ اطہر کو اس حالت میں دیکھ کر، عوام کا بہت بڑا مجمع، دیکھنے کو جمع ہو گیا۔
مولوی محمد عمر نعیمی فرماتے ہیں کہ:
ان کے نانا، شیخ کرامت علی ٹھیکیدار نے جسمِ اَطہر کو، عقب جیل خانہ، دفن کر دیا۔''

(**۱۸۵۷ء کے مجاہد شُعَرا**۔ از امداد صابری، مطبوعہ دہلی)

اور اسی واقعہ کی دوسری شہادت، جناب مولوی سید ظفر الدین احمد مرحوم بن حضرت حاجی

مولوی سید نعیم الدین صاحب مرادآبادی کی ہے۔ وہ، بیان کرتے ہیں کہ:
ایک سڑک، اِس مقام سے نکالی جارہی تھی اور مولانا کافیؔ شہید کے مزار کا نشان نمایاں، نہیں تھا۔ مزدور کام کر رہے تھے کہ:
مولانا کی قبر کھل گئی اور مزدور کا پھاوڑا، مولانا کافی شہید کی پنڈلی پر لگا۔
جسمِ اطہر، ویسا ہی تھا جیسا شہادت کے وقت تھا۔
بزرگ لوگوں نے چہرۂ مبارک دیکھ کر، شناخت کر لیا۔
اور بھاری تعداد میں لوگ، زیارت کرنے دوڑ پڑے۔'' (۱۸۵۷ء کے مجاہد شُعرا)

مزدوروں نے، انجینئر سے بیان کیا۔
انجینئر، خود آیا اور میت کو صحیح سلامت دیکھ کر ڈر گیا اور احتراماً، عوام کو ہٹا کر قبر پر دوبارہ تختہ وغیرہ لگوا کر، بالکل ٹھیک کرا دیا اور سڑک کا رُخ، تبدیل کر دیا
جس کی وجہ سے سڑک میں کچھ ٹیڑھا پن پایا جاتا ہے۔ جسم، کہیں، منتقل نہیں ہوا۔
مرادآباد کے عوام، مولوی سید ظفر الدین نعیمی، مرادآبادی کے بیان سے
زیادہ اتفاق کرتے ہیں اور اس بیان کو مولانا امداد، صابری دہلوی صاحب نے بھی
اپنی کتاب ''**شہیدانِ وطن، مرادآباد**'' میں تحریر کیا ہے۔
مولانا کافیؔ شہید کی علمی قابلیت کے سلسلہ میں
مولانا عبدالغفور نسّاخ، مؤلّفِ ''سخنِ شُعَرا'' فرماتے ہیں کہ:
مولانا کافیؔ اپنے دَور کے نعت گو شعرا میں جواب نہیں رکھتے تھے۔ وہ مستند عالمِ دین تھے۔
ان کا زیادہ تر وقت، تصنیف و تالیف میں گذرتا تھا۔
مولوی عبدالغفور صاحب کے بیان کے مطابق:
مولانا کافیؔ شہید کی تصنیف میں احادیث کے تراجم، بہارِ خلد اور شاہ عبدالحق محدّث دہلوی کے رسالہ ترغیب اہلِ سعادت کا ترجمہ ''خیابانِ فردوس'' ہے۔''

(**۱۸۵۷ء کے مجاہد شُعَرا**۔ از امداد صابری۔ مطبوعہ دہلی)

اور اسی قسم کی کتابیں اور دیگر رسالے ہیں۔ مولانا کافیؔ، صاحبِ دیوان شاعر تھے۔
آپ کی تصنیف کردہ چند کتابوں کے نام، حسب ذیل ہیں:

(۱) امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (وصال ۲۷۹ھ/۸۹۲ء) کے مشہور مجموعۂ احادیث
''اَلشَّمَائِلُ النَّبَوِیَّۃ'' معروف ''بہ شمائلِ ترمذی'' کا
منظوم اردو ترجمہ، درصنفِ مثنوی۔ بنام ''بہارِ خُلد''۔

(۲) حضرت شیخ عبد الحق، محدّث دہلوی (وصال ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) کی فارسی کتاب
''تَرْغِیبُ اَھْلِ السَّعَادات عَلیٰ تَکْثیرِ الصّلوٰت علیٰ سَیِّدِ الْکَائِنَات''
دربیانِ فضائلِ درود شریف کا منظوم اردو ترجمہ درصنفِ مثنوی۔ بنام **''خیابانِ فردوس''**۔

(۳) محبتِ رسول، فضائل درود، مدحِ اہلِ بیت وصحابۂ کرام وغیرہ پر مشتمل
چالیس احادیث کریمہ کا منظوم اردو ترجمہ درصنفِ مثنوی۔ بنام **''نسیمِ جنت''**۔

(۴) **مولود شریف بہاریہ مع حُلیۂ مبارکہ** (مثنوی)

(۵) مولانا محمد اسحٰق، بدایونی (متوفی ۱۲۹۷ھ/۸۰-۱۸۷۹ء) کے ایک رسالہ کی روشنی میں
اَحوالِ عاشقانِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم پر مشتمل
ایک منظوم رسالہ۔ بنام **''داستانِ صادقاں۔''**

(۶) منظوم واقعۂ اُستنِ حنَّانہ درصنفِ مثنوی۔ بنام **''جذبۂ عشق''**

(۷) حج وزیارتِ حرمین شریفین کے موقع پر، روضۂ اطہر ومسجد نبوی کے ایمان افروز مناظر
کا منظوم بیان درصنفِ مثنوی۔ بنام **''تجملِ دربارِ رسالت۔''**

(۸) **مختصر معراج نامہ** (تضمین برشعرِ شیخ سعدیؔ، شیرازی)

(۹) **دیوانِ کافیؔ۔**

ان کے علاوہ بھی، بعض کتب ورسائل ہیں۔ صَرف ونَحو کے موضوع پر بھی آپ نے دادِ تحقیق
دی ہے۔ مگر، افسوس کہ آپ کی بیشتر تحریرات، ابھی تک، غیر مطبوعہ ہیں۔
اور گردشِ زمانہ نے ان میں سے اکثر کے ساتھ، نہ جانے کیا سلوک کیا ہے۔

نعت کے چند اشعار، ملاحظہ ہوں:

بہارِ خلد ہے روے محمد — شمیمِ جاں فزا بوے محمد
دلِ وحشی ہے زنجیریں تڑاتا — بشوقِ یادِ گیسوے محمد

○○○

یا الٰہی! حشر میں خیرالوریٰ کا ساتھ ہو — رحمتِ عالَم محمد مصطفیٰ کا ساتھ ہو
یا الٰہی! ہے یہی، دن رات میری التجا — روزِ محشر، شافعِ روزِ جزا کا ساتھ ہو
بعد مرنے کے بھی کافیؔ کی ہے یارب یہ دعا — دفترِ اشعارِ نعتِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

○○○